آفتاب آمد دلیل آفتاب

(سلامِ رضا پر ایک ادبی تاثراتی جائزہ)

پروفیسر انوار احمد زئی

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (رجسٹرڈ)

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

(سلام رضا پر ایک تاثراتی جائزہ)

پروفیسر انوار احمد زئی

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل
کراچی.............اسلام آباد

نام	:	آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
ازقلم	:	پروفیسر انوار احمد زئی
سن اشاعت	:	۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء
نگراں طباعت	:	منظور حسین جیلانی
کمپوزنگ	:	شیخ ذیشان احمد قادری
پروف ریڈنگ	:	حافظ محمد علی قادری
ناشر	:	ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل پاکستان
ھدیہ	:	۱۰؍روپے

تقسیم کار

المختار پبلی کیشنز

کراچی: آفس :25 جاپان مینشن، ریگل چوک، صدر کراچی، (74400)، پوسٹ بکس نمبر 489

ٹیلی فون نمبر: 021-7725150، فیکس: 7732369

اسلام آباد: D-44/4، اسٹریٹ نمبر 38، سیکٹر F-6/1، اسلام آباد 44000،

ٹیلی فون نمبر: 051-2825587

سلام کے بارے میں:

اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سلام سن ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں تحریر فرمایا۔ اس سلام میں کل ۱۷۱/اشعار ہیں۔ یہ سلام اعلیٰ حضرت کی تصنیف ''حدائقِ بخشش'' مطبوعہ ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء کے صفحات نمبر ۱۹۱/ سے ۲۰۹/ پر بھی اشاعت پذیر ہوا ہے تاہم اس کا حوالہ اور اشارہ اعلیٰ حضرت پر کئے گئے کام میں اور لکھی گئی تحریروں میں جابجا موجود ہے۔ یوں تو اس کلام میں تضمین کی صورت بے شمار شعراء نے طبع آزمائی کی ہے تاہم اختر الحامدی قادری مرحوم کی تضمین خاص طور سے مشہور ہوئی جس میں ابیات کو مخمس کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سلام کا مقطع زمان ومکان کی قیود سے ماورا کیفیت کا آئینہ دار ہے۔

خصوصیات سلام رضا:

امام اہل محبت کے سلام کی متعدد خصوصیات ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱- یہ اردو سلاموں میں طویل ترین سلام ہے اس کے ایک سو اکہتر (۱۷۱) اشعار ہیں۔
۲- اس میں حضور علیہ السلام کے سراپا کا بیان بھی ہے۔
۳- آپ کی مقدس اداؤں کا نہایت ہی خوبصورت انداز میں تذکرہ ہے۔
۴- یہ آپ کی ذات اقدس کے علاوہ آل، اصحاب، اولیاء اور تمام امت پر سلام ہے
۵- ہر شعر میں قران وحدیث کی تعلیمات بڑے ہی احسن انداز میں بیان کردی گئی ہیں۔

۶- یہ سلام آپ کی صورت کے بیان کے ساتھ ساتھ سیرتِ نبوی کا شاہکار ہے۔
۷- اس کے اشعار میں تاریخ اسلام کے عظیم واقعات کو اچھوتے انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔
۸- اس میں سراپا بیان کرتے وقت اردو کے انہی الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو عربی میں استعمال ہوئے تھے۔
۹- اتنا مقبول کوئی سلام نہیں۔
۱۰- حضور کے عظیم معجزات کا ذکر بھی نہایت ہی احسن انداز میں کیا گیا ہے۔
۱۱- اس کے ہر شعر کا معنیٰ کسی نہ کسی آیتِ قرآنی یا حدیث سے ماخوذ ہے۔

ترتیب سلام:

۱- پہلے تیس اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص، کمالات اور معجزات کے ساتھ ساتھ اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور آپ کا وجودِ مسعود بے مثل اور ہر شی کے وجود کے علت وسبب ہے
۲- اکتیسویں شعر سے اکیاسی تک آپ کے سراپا کا بیان ہے جس میں ہر ہر عضو، اس کی اہم خصوصیت اور اس کے حسن وجمال اور برکات کا تذکرہ ہے۔
۳- بیاسی تا نوّے میں آپ کی ولادتِ باسعادت، بچپن، رضاعت، رضاعی والدہ، رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ تعلقات کا بیان ہے۔
۴- اکیانوے تا ننانوے کا حصہ خلوت وذکر وفکر، بعثتِ مبارکہ، شانِ سطوت اور غلبۂ دین پر مشتمل ہے۔
۵- سوتا ایک سو چار میں آپ کی غزوات میں شرکت وجرأت وبہادری کا ذکر ہے

۶- ایک سو پانچ سے ایک سو سترہ تک کا حصہ خاندانِ نبوی اور گلشنِ زہرا کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔

۷- ایک سو اٹھارہ تا ایک سو چھبیس آپ کی ازواجِ مطہرات کے درجات و کمالات پر مبنی ہے۔

۸- ایک سو ستائیس تا ایک سو تینتالیس صحابہ، خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ کی خدمت میں سلام ہے۔

۹- ایک سو چوالیس تا ایک سو انچاس میں تابعین، تبع تابعین اور تمام آلِ رسول پر سلام ہے۔

۱۰- ایک سو پچاس اور ایک سو اکیاون، ان دو اشعار میں اربعہ ائمہ، امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا مبارک تذکرہ ہے۔

۱۱- ایک سو باون تا ایک سو پچپن، سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری ہے۔

۱۲- ایک سو چھپن تا ایک سو اکسٹھ اپنے مشائخ سلسلہ کا تذکرہ ہے۔

۱۳- ایک سو باسٹھ تا ایک سو پینسٹھ کے حصہ میں تمام امت مسلمہ خصوصاً اہل سنت، اپنے والدین، دوست واحباب اور اساتذہ کے لئے دعا ہے۔

۱۴- اس سلام کا اختتام اس دعا پر ہو رہا ہے کہ اے خالق و مالک یہ صلوٰۃ وسلام کا عمل مجھے روز قیامت اس طرح نصیب ہو کہ جب رحمۃ للعالمین آقا صلی اللہ علیہ وسلم محشر میں تشریف لائیں تو مجھے یوں عرض کرنے کی اجازت ہو۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصدیر

☆☆☆

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا حکم قرآن و سنت کی رو سے واجب وسنت ہے اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نماز کی حالت میں کافِ خطاب کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس شرعی حکم و اجازت کی بناء پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے لیکر آج تک ہر دور میں غلامانِ مصطفیٰ اور عشاقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے حضور نثر اور نظم دونوں میں درود وسلام کے ہزارہا گلدستے پیش کرتے رہے ہیں لیکن تاریخ شاھد ہے کہ سید عالم جانِ جاناں صلی اللہ علیہ وسلم کے دو عشاق ایسے گزرے ہیں جن کے قصیدۂ سلامیہ کو وہ دوام و مقبولیت حاصل ہوئی جس کی نظیر نہیں ملتی۔

ان محترم ومقدس مدّاحانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- حضرت امام شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن سعید بوصیری علیہ الرحمۃ والرضوان

(اسکندریہ، مصر)

۲- حضرت امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ ورضوان

(بریلی، ہندوستان)

امام شرف الدین علیہ الرحمۃ کا قصیدہ عربی میں ہے اور ''قصیدہٗ بردہ'' کے عنوان سے تمام بلادِ اسلام میں معروف ہے اور عرب ممالک کے علاوہ برصغیر پاک و ہند، مشرقِ بعید اور مغربی ایشیاء کے تمام ہی ممالک میں میلاد النبی ﷺ کی مبارک محفلوں میں پڑھا جاتا ہے اس کی ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے ؎

مولای صلِّ وسلّم دائماً أبداً
علی حبیبک خیر الخلق کلّهم

یہ شعر زبان زدِ عام ہے۔ گذشتہ آٹھ صدیوں میں اب تک اس کی بے شمار شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ سب سے قدیم اور معروف شرح مطالع المسرات مصنفہ علامہ فاسی علیہ الرحمۃ ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا قصیدہٗ سلامیہ اردو میں ہے اور اس کی ابتداء اس وجد آگیں مطلع سے ہوتی ہے ؎

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اردو زبان میں لکھے ہوئے قصیدہٗ سلامیہ میں یہ مقبول ترین سلام ہے۔ اردو میں اس کی شرح لکھنے کا سہرا محترم مفتی محمد خان قادری زید مجدہٗ کو حاصل ہے۔ گذشتہ ۷ سالوں میں اس کے متعدد ایڈیشن پاک و ہند سے شائع ہو چکے ہیں۔ دنیا میں جہاں جہاں بھی اہلِ عشق آباد ہیں اور ان کی زبان اردو ہے وہاں یہ سلام ہر مسجد، نہ صرف ہر مسجد بلکہ ہر محفلِ میلاد، نہ صرف ہر محفل میلاد بلکہ ہر محفلِ خیر میں پڑھا جاتا ہے اور لوگوں کی دل کی دھڑکنوں سے سنا جاتا ہے۔ گویا یہ سلام امت مسلمہ کے دل کی آواز ہے۔

اس کی خصوصیت اور کرامت یہ ہے کہ اس کے پڑھنے اور سننے والا اگر معانی و مفاھیم کو سمجھے بغیر بھی پڑھتا یا سنتا ہے تو اس پر ایک جذب و کیف کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور اگر وہ اس کے مفہوم و معانی، تلمیحات و استعارات، حسنِ شعری، اس کے پس منظر اور اس میں بیان کردہ قرآن و حدیث کے حوالہ جات و واقعات سے واقف ہو تو اس کا ذوق دوبالا ہو جاتا ہے، اور اگر ایسا شخص اعلیٰ ذوقِ سخن کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ ''دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' سے بھی مالا مال ہے تو اس کا قلب ''رخِ مصطفیٰ'' صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کا آئینہ، اور اس کی چشمِ تصور کی پتلیاں سراپائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منظر گاہ بن جاتی ہیں۔ ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب'' برادرم پروفیسر انوار احمد زئی زید مجدہٗ و شرفہ کی ''سلامِ رضا'' کے حوالے سے ایک خوبصورت تاثراتی تحریر ہے۔ وہ ایک اچھے سخنور اور سخن فہم ہونے کے ساتھ ساتھ ''دلِ بیدار'' کے مالک اور ''عشقِ سرکار'' کے گوہرِ تابدار کی دولت سے بھی بحمد للہ مالا مال ہیں۔

انہوں نے سلامِ رضا کو صرف پڑھا اور سمجھا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ہر شعر کے معانی و مفاھیم کو اپنے قلب و روح میں اتار کر۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

گنگناتے ہوئے اپنے پروانۂ تخیل کے ساتھ ساتھ ''شمعِ بزمِ ہدایت'' کے گرد طواف کیا اور اپنی متاعِ جان نچھاور کرتے ہوئے امام احمد رضا کی زبان میں ''فنا بدرت'' کی منزل پر پہنچتے ہیں اور وہاں سے ''بقا ببرت'' کا سفر اختیار کرتے ہیں اور پھر اس مقامِ اعلیٰ پر فائز ہوتے ہیں جہاں اپنی چشمِ قلب اور نگاہِ روح سے ''رب

اعلیٰ کی نعمت'' اور'' حق تعالیٰ کی مِنّت'' کا مشاہدہ کرتے ہوئے لحن داؤدی سے سلام رضا کا یہ شعر پڑھتے ہیں۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود
حق تعالیٰ کی مِنّت پہ لاکھوں سلام

انوار احمد زئی صاحب اہلِ محبت سے ہیں، امامِ اہلِ محبت حضرت رضا بریلوی نے سید الانبیاء ﷺ کی ذاتِ اقدس کو'' مہرِ چرخِ نبوت'' فرمایا ہے یعنی آسمانِ نبوت کا ایک درخشاں آفتاب کہ جس کے طلوع ہوتے ہی گلستانِ کائنات کا ہر ذرہ منور ہو جاتا ہے اور باغِ رسالت کا ہر چراغ اس'' آفتابِ رسالت'' کے سامنے گل ہو جاتا ہے۔ جس طرح اللہ خالق و مالک نے ہماری مادی کائنات کیلئے ایک آفتاب تخلیق فرمایا ہے جس کی بناء پر عالمِ ناسوت کے ذرّے ذرّے کو روشنی و حرارت ملتی ہے اسی طرح رب تعالیٰ نے روحانی زندگی اور اس کی بود و نمود کے لئے حرارت و روشنی کا ایک نظام قائم فرمایا ہے جس کا مرکز'' آفتابِ رسالت'' ہے۔ اس مرکزِ حرارت کی گرمی سے'' عشقِ الٰہی'' کی بود و نمود قائم رہتی ہے۔ انوار احمد زئی صاحب جب سلامِ رضا کے اس شعر کو ذوق و وجدان کے لحن سے پڑھتے ہیں۔

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

تو اسمِ با مسمّٰی بن کر'' انوار احمدی'' کا مشاہدہ کرتے ہیں اور جب حرارت و نورِ عشق سے ذرۂ ناچیز کو متحرک و منوّر آفتاب ہوتا محسوس کرتے ہیں تو ان کا عقیدۂ و عقیدت اور عقل و خرد'' عشقِ مصطفیٰ'' کی اکائی میں اس طرح ڈھل جاتے ہیں کہ

''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' بن کران کے سفرِ حیات کے عنوان بن جاتے ہیں۔

''سلام رضا'' کا باذوق اور بالوجدان مطالعہ انہیں ان مقامات کی سیر کراتا ہے جہاں حاضری ''حضوری'' بن جاتی ہے اور عشقِ بے تاب کی بصارت چشمِ حیرت! کہ اچانک روحِ اقبال امام احمد رضا کی ہمنوائی میں انہیں یوں مخاطب کرتی ہے ؎

می ندانی عشق و مستی از کجا است
ایں شعاع از آفتابِ مصطفیٰ است

(اے مخاطب تو حیران ہے کہ یہ عشق و سرمستی کی حرارت کہاں سے ہے؟
(سلامِ رضا نے تجھے دربار رسالت کی حاضری اور حضوری عطا فرمادی،)

ہوش میں آ! یہ تو ''سراجاً منیرا'' (آفتاب رسالت) کی ایک شُعاع کی جھلک دمک ہے۔!)۔ ''سیرِ گلشن'' سے مشامِ جاں کو معطر کر کے جب انوار احمد زئی صاحب واپس ہوتے ہیں تو اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے یہ کہکر قلم رکھدیتے ہیں کہ اگر چہ ''سیرت طیبہ'' کا احاطہ ممکن نہیں لیکن عشق کی مضراب پر نعت کا نغمہ چھیڑا جائے تو اعلیٰ حضرت کی متذکرہ تخلیقِ سراپا، نعت، قصیدہ اور سلام چاروں رنگوں کے ساتھ پوری کائنات کو رنگین بنادیتی ہے گویا کہ ؎

ہے نامِ محمد ہی نعتِ محمد ﷺ
میں لکھ کر محمد قلم رکھ رہا ہوں ﷺ

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
(صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طلوع

مسجد نبوی (علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) میں عشاء کی نماز کے بعد اچانک
عالمی شہرت یافتہ نعت خواں برادرم سعید ہاشمی صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے
تڑپ کر کہا! سرکار ﷺ کے حضور نعت پڑھنے کا لطف ہی اور ہوگا کیوں نہ یہ مزا آپ
لیں اور نعت سننے کا شرف میں حاصل کروں۔ سعید ہاشمی صاحب نے محبت کے ساتھ
فرمایا ''کل بعدِ فجر، باب جبریل پر ملتے ہیں، پھر یہ اعزاز مل کر پائیں گے دوسرے دن
کا معینہ لمحہ آنے میں کئی صدیاں لگ گئیں، رات بھر تمام ذہن نعت کی محفل بنا رہا تھا۔
فجر کی بعد میں، عزیز از جان عزیز احمد زئی کے ساتھ باب جبرئیل کے
اندرون حصے میں سراپا انتظار بنا، سعید ہاشمی صاحب کی راہ دیکھا کیا، جواب میں سرکار
نے ایک اور عالمی شہرت رکھنے والے نعت خواں اور برادرم خورشید احمد کو سامنے
لا کھڑا کیا، معانقہ ہوا اور ان سے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا، بھائی خورشید نے سرکار
کے قدموں میں سرکار ﷺ کی مدحت کے پھول بکھیر دیئے مگر سرگوشی کی طرز میں تاہم

فضا مہک اٹھی جی سنبھل گیا۔

ہم تینوں باب جبریل سے باہر آئے تو خدا خوش رکھے جناب سعید ہاشمی موجود تھے۔ کہنے لگے ہم تو کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں، ہم نے اعترافِ ندامت کے ساتھ کہا، انتظار تو ہم بھی کر رہے ہیں۔ فرق صرف باب جبریل کے اس پار اور اُس پار کا رہا۔ اور پھر بابِ جنت البقیع پر نعت کی محفل یوں جمی کے شاید ہی اس طرح ہم نے دیکھی ہو، تینوں نادر روزگار صفت نعت خوانوں نے ہدیہ ہائے نعت خوب خوب پیش کئے مگر جب صلوٰۃ وسلام کا وقت آیا تو تینوں نے بلکہ تمام حاضرین نے، جن کی تعداد خاصی تھی مل کر اعلیٰ حضرت کا سلام حسین وجمیل پیش کیا تو اس کرامت کا احساس ہوا، جس کا اندازہ پہلے نہ تھا۔

ہم سب بآواز بلند سلام عرض کر رہے تھے، لوگ جھوم رہے تھے ماحول نور کے تاروں سے سج رہا تھا، ہر سامع وحاضر کا دل سلام کے زیر بم کے ساتھ بج رہا تھا۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا، کوئی دربان، نقیب موجود نہ تھا جو ہمیں اس وارفتگی، سرشاری، بے قراری یا قراری کی استواری کیفیت سے گزرنے سے روکتا۔ اس دن یہ ماجرا کھلا، اس سلام کی یہ کرامت معلوم ہوئی کہ حضور والا صفات ﷺ کے اکرام کا یہ انداز بھی ہے کہ یہ سلام جسے وہ سنانا چاہیں وہ سنتا ہے، جسے اس سے محروم رکھنا چاہیں، اس کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں اور کانوں پر پہرے لگ جاتے ہیں۔

اس دن سے میرے کانوں پر اس معرکہ آرا سلام کے اوصاف آہستہ آہستہ منکشف ہونے شروع ہوئے اور میں اس فردوس رساں نظمیہ آہنگ کو نئی صداؤں اور

نئی اداؤں کے ساتھ اپنے دل پر قطرہ قطرہ اترتا محسوس کرنے لگا، خدا کے فضل سے یہ سلسلہ بلا تعطل آج تک جاری ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

قابل رشک ولولوں سے سرشار حضرت وجاھت رسول قادری صاحب مع اپنے جیسے ہی حسین ذوق سے آراستہ، برادرم منظور حسین جیلانی صاحب کے ہمراہ، ایک دن میرے دفتر تشریف لائے اور ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے تعلق سے گفتگو ہوئی تو میں نے اپنے اندر چھپے ہوئے سلام کے حوالے سے کیف آگیں جذبوں کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ یہ نظم صرف سلام ہی نہیں، سراپا بھی ہے، قصیدہ بھی اور نعت کے لغوی معنوں پر کاملاً اترنے والا نغمۂ دل گداز بھی۔ تو میرے دونوں کرم فرما، فرمانے لگے کہ اس خیال کو ضبط تحریر میں لے آیا جائے۔ مجھے اپنی بے بضاعتی، کم مائیگی اور بے علمی کا ادراک واحساس تھا، ہے، اور رہے گا، اسلئے پہلو تہی کرتا رہا۔ تاہم مجھے اندازہ نہ تھا کہ دیوانگی اور وارفتگی کی جس منزل پر یہ لوگ ہیں اس میں ایسی کشش اور مقناطیسیت ہوتی ہے کہ جسے چاہیں اپنی جانب کھینچ لیں، سو ان حضرات نے اپنا کمال دکھایا اور مجھے اپنے جذبۂ شوق میں جذب کرلیا۔ یہ تحریر جسے آپ نظر نواز فرمائیں گے، دراصل ان ہی صاحبانِ کشف وکرامت کے فیض کی آئینہ دار ہے۔ اور اس ضمن میں عزیزم محمد عمران خاں چشتی کی غیر معمولی دلچسپی کا تذکرہ بھی بے حد ضروری ہے،

ایک اور بات، اس مرتبہ جب امریکہ جانا ہوا تو قیام واشنگٹن، ڈی. سی سے ملحق شہر پر اسرار ''ورجینیا'' میں رہا۔ شہر پر سرار اس لئے کہ اسی شہر کے اکناف میں پینٹاگون ہے۔ ہماری کثیر المنزلہ ہوٹل کے کشادہ دریچوں سے ایک جانب دنیا پر

حکمرانی کے استعارے ''پینٹا گون'' کا دیو پیکر محل تھا، تو فاصلے سے نظر آنے والا ''کیپٹال'' اور وہائٹ ہاؤس دوسری طرف ---- مدینے کے تذکرے کے قالین میں امریکی تذکرے کے ٹاٹ کا پیوند کیوں لگا رہا ہوں ---- یہ سوال، آپ کا نہیں میرا بھی ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ عالمی بینک کے تحت ہونے والی اس کانفرنس میں شرکت کرنے کیلئے آئے ہوئے تین درجن ممالک کے مندوبین میں ایک صاحب سعودیہ کے اہم منصب دار بھی تھے۔ جو بار بار ہمیں اور خاص طور سے مجھے یہ کہکر ڈرایا کرتے تھے کہ جو کہنا ہے احتیاط سے کہو اور آہستہ کہو اس سامنے والے ''محل'' تک سب رازوں کے پہنچنے کا اَن دیکھا بندوبست ہے اور میں ان سے مسکرا کر یہ کہتا تھا کہ یہ عمارت تو بہت قریب ہے، آپ جہاں سے یہاں آئے ہیں، اتنی دور میرے آقا تک جو باتیں سفر کر کے پہنچ جاتی ہیں، وہ باتیں تو منہ سے نکلنے کی روادار بھی نہیں ہوتیں وہاں تو ہماری سوچ تک کی رسائی ہو جاتی ہے۔ حسنِ اتفاق ہے، ہمارے دورانِ قیام عید میلاد النبی کا دن بھی آ گیا، ہم نے وہیں دیارِ پرسرار میں صاحبِ اسرار و صاحب اسراء کا دن منایا، وہاں صرف چار افراد تھے، سعودی عرب کے ساتھی کسی کام سے چلے گئے تھے۔ ہم نے اعلیٰ حضرت کے سلام پر مختصر مگر کائنات پر محیط محفل ختم کی، کسی نے کہا ہمارا پانچواں ساتھی بھی ہوتا تو اچھا تھا۔ مگر کمال یہ ہے کہ جب وہ لوٹا اور سرکار کی نشست کے بعد سرکاری نشست اختتام پذیر ہوئی تو سب سے پہلے اس شخص کے منہ سے میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہلوایا کہ ''تم عمرہ کیوں نہیں ادا کر لیتے''۔ سرکار کی سماعت پر لاکھوں سلام۔ ہم اپنے اس ساتھی کو کیا بتاتے کہ ہم نے تو کچھ کہا بھی نہیں

صرف سوچا تھا، سرکار نے سماعت فرمالیا، اور اس سے کہلوادیا جو اس محفل میں موجود بھی نہ تھا، اسے زندہ کرامت بھی کہتے ہیں اور سرکار کی نافذ حکومت بھی۔ اس سعودی ساتھی کی معاونت سے بظاہر ناممکن کام ممکن ہوگیا، واشنگٹن میں سعودی سفارت نے ہمیں عمرہ کا ویزا دے دیا۔ اعلیٰ حضرت کے سلام کا یہ ایک اور فیض تھا۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا جس تندہی سے کسی کی مخالفت کی پرواہ یا موافقت کی تمنا کئے بغیر بے سروسامانی کے عالم کے باوجود وقیع عظیم اور حسین کام کررہا ہے، اسے دیکھ کر رشک آتا ہے اور تمنا پیدا ہوتی ہے کہ کاش ہم بھی کچھ کرسکیں تاہم تمنا کرنا کونسا کمال ہے، تمنا سچی ہو تو کوئی کمال ہم سے بھی ہوسکتا ہے، اس تمنا کے سچے ہونے کی دعا کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے باکمال کام پر طالب علمانہ تحریر قرطاس پر بکھیری ہے تاکہ اصلاح ہوسکے، اس تحریر کی بھی اور اس کے لکھنے والے کی بھی اور پوری ہوسکے وہ تمنا، جو بیان سے زیادہ سرکار ﷺ کی سماعت کی تمنائی ہے۔

کراچی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ طالب دعا

۱۷/اگست ۲۰۰۲ء ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ انوار احمد زئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

منطقی اعتبار سے اس بات کو کلیہ کا درجہ حاصل ہے۔ کہ سورج کا وجود ثابت کرنے کے لئے سورج کا وجود محسوس کرنا کافی ہے۔ لیکن انسان کی خوگرِ پیکر محسوس نظر، دلیل کی منزل سے گزر کر، مشاہدے، مطالعہ اور سائنسی تجزیئے کی طرز میں جا نکلتی ہے اسی نظریاتی کاوش کو سائنس کی اصطلاح میں تجرباتی نتیجہ اور ادب کے میدان میں تاثراتی تجزیہ کہتے ہیں۔ اس حوالے سے میں آج جس مشکل سے گزرنے کی شعوری سعی کر رہا ہوں، وہ ایک مستند و مقبول شہپارے اور شہکار کا ازسرِ نو مطالعاتی تجزیہ ہے۔ مطالعاتی اس لئے کہ اس ادب پارے میں، عقیدے اور عقیدت کی جس گنگ و جمنی کیفیت کو ناقابل تقسیم انداز میں گوندھ دیا گیا ہے، اسے الگ الگ کرنا، ثابت و سالم پھول کو پتی پتی کرنے کے مترادف ہے اور جب کوئی پھول پتی پتی ہو جائے تو وہ پھول نہیں رہتا اسی لئے میں امام اہلسنت، حضرت احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رواں صدی و گزراں صدی پر محیط اس بے بدل قصیدۂ سلامیہ ''سلام رضا'' کے

مطالعاتی تجزیے کے کٹھن مرحلے سے طالب علمانہ گزرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے محاکات اور فیوض و برکات کو جس طرح محسوس کررہا ہوں اسے اس طرح قرطاس پر منتقل کرسکوں کہ اصل تخلیق کا حسن برقرار رہے۔

عقیدے اور عقیدت کی منزل ایک ہے راستے جدا جدا ہیں عقیدہ ٹھہراؤ کا متقاضی ہوتا ہے، عقیدت شدت کا مطالبہ کرتی ہے، عقیدہ بے دیکھے ایمان اور ایقان کا نام ہے۔ عقیدت میں نثار ہونے، واری جانے، صدقہ اتارنے اور قربان ہوجانے کی لذت ہوتی ہے۔ عقیدہ منزل پر میں پہنچانے میں اپنا فطری وقت لیتا ہے مسافر کی چال اور رفتار دیکھتا ہے عقیدت ایک جست میں منزلیں طے کرلیتی ہے وہ مسافر کی آہستہ روی، بے سروسامانی، بے چارگی، بے بسی اور ابتری کو راہ میں حائل نہیں ہونے دیتی۔ مگر صاحبو۔! عقیدت بے عقیدہ ہو تو بت پرستی بن جاتی ہے، جب کہ عقیدے کے ساتھ عقیدت عشق کی معراج بن جاتی ہے حاضری کے بغیر حضوری کی منزل کا پتہ دیکر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو صحابیت کے جلیل القدر منصب کا قرب عطا کردیتی ہے۔ حاضری، عمل کا نام ہے، حضوری، نصیب کا نام ہے۔ حاضری کے لئے مسافت ضروری ہے، حضوری کے لئے محبت لازمی ہے، حاضری بصارت ہے، حضوری بصیرت ہے، حاضری عقل ہے، حضوری عشق ہے۔

لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑدے

تاہم جب عقیدہ و عقیدت یکجا ہوجائیں حاضری اور حضوری اکائی بن جائیں

اور عقل اور عشق ایک دوسرے میں پیوست نظر آئیں تو اعلیٰ حضرت کا سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' تخلیق پاتا ہے اور سننے اور پڑھنے والے بے شمار زروں کو عشق کے نور سے چمکا کر آفتاب بنا دیتا ہے۔ گویا، آفتاب آمد دلیل آفتاب کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ سلام کیا ہے-؟ شعری اصطلاح میں' اب اسے ایک صنف کا درجہ حاصل ہے۔ جس طرح حمد، نعت، منقبت، مرثیہ اور قصیدے کو اصناف سخن تسلیم کیا جاتا ہے، اسی طرح سلام کو بھی صنف کا مقام حاصل ہے تاہم قصیدے اور سلام میں بنیادی فرق ممدوح کا ہوتا ہے، ممدوح اگر صرف سریر آرائے سلطنت ہو تو اس کے لئے قصیدہ ہی کافی ہے، لیکن اگر ممدوح برسرِ دل حکمرانی کرتا ہو تو اس کا قصیدہ، سلام میں ڈھل جاتا ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اگر سلام ان کے حضور ہو جو باعث تخلیق کائنات ہیں تو پھر نہ یہ قصیدہ رہتا ہے، نہ استغاثہ بلکہ عقیدت کے سانچے میں ڈھل کر سراپا عقیدہ بن جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا سلام عقیدت سے مشروط عقیدے کا منشور ہے۔ سلام کا دوسرا التزام یہ ہے کہ جسے سلام پیش کیا جائے وہ حاضر ہو اور ناظر ہو اسی لئے اعلیٰ حضرت نے صنف شاعری میں سلام کے لفظ کو ردیف کا حصہ بنا کر اس عقیدے کا اظہار کیا ہے کہ حضور رسالت پناہ کے غلاموں کے غلام آپ ﷺ کے حضور حاضر ہیں اور عجز و نیاز کے موتی آپ کے قدموں میں رکھ رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اشعار کے ذریعے دربار رسالت کو منور کرنے والے سراپا نور حضور انور ﷺ کا سراپا بھی نظم کرتے جا رہے ہیں لیکن ٹھہریئے یہاں میں نے ''سراپا'' اصطلاحاً استعمال کیا ہے۔

اردو، فارسی اور عربی ادبیات میں شعراء نے اپنے محبوب اور ممدوح کی لفظی تصویریں بنائی ہیں۔ نثر میں اس فن کو صورت کے ساتھ سیرت و کردار کے بیان کو ملائیں تو خاکہ نگاری کہتے ہیں جب کے نظم میں جو شعراء ''سراپا'' کھینچتے ہیں اس میں محبوب کے حسن و جمال سے لے کر صورت اور سیرت کا احاطہ کیا جاتا ہے مثلاً جگر مراد آبادی کا ''سراپا'' کہ

دل بُردہ ازمن دیروز شامے
فتنہ طراز محشر خرامے

مشکیں خط او سنبل بہ گلشن
لعلیں لب او بادہ بہ جامے

عارض چہ عارض گیسو چہ گیسو
صبحے چہ صبحے شامے چہ شامے

گاہے بہ مستیِ طاؤس رقصاں
گاہے بہ نازے آہو خرامے

کہتے ہیں ہے کہ اردو شاعری میں ابتداء ہی سے ''سراپا'' کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر، دکن کا فرماں رواں، قلی و قطب اپنی بیگمات کے سراپے نظم کرتا تھا، جو آگے چل کر اس کا دیوان بن گئے۔

لیکن دنیا داران شاعروں کے سراپے مبالغہ آرائی، مطلب برازی اور زبان دانی کے نمونے تو ہو سکتے ہیں حقیقت اور عقیدت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کمال یہ کیا کہ سراپے کے التزام کو سامنے رکھا مگر لب و دندان، زلف و روخ، نگہ و ابرو، جبین و بشریٰ، سماعت و بصارت، قد و قامت اور گیسو و کاکل کے استعارات کو ایسی وسعت دی کہ اس میں حضور انور ﷺ کے حسن و جمال کے ساتھ ساتھ، آپ کی سیرت و کردار کی تنویر سامنے آتی چلی گئی اور تصویر بنتی چلی گئی۔ یہ وصف اور یہ قدرت کسی سراپا نگار کے حصے میں نہیں آئی۔ سلام کے اس حصے سے گزرتے ہوئے حقیقت میں اوراقِ شمائل نظروں سے گزرنے لگتے ہیں، اور وہ چہرۂ مبارک جس نے دراصل حسن و جمال، رنگ و نکہت، نازکی اور نزاکت، بلور و مرمر، سرو سوسن، لعلِ یمن، غنچہ دہن جیسے لفظوں، رعایتوں، تراکیب اور استعارات کو معنویت عطا کی، یوں نور کی کرنوں کی صورت، قلبِ سلام گو پر لمحہ واشگاف ہوتا ہے کہ ہر دل، بشرطِ عشق و عقیدت، غارِ حرا کا حوالہ بن جاتا ہے۔

یہاں مجھے بے طرح پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی ایک تحریر یاد آ رہی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''ایک مرتبہ ایک امریکی نے مجھ سے کہا کہ تم لوگ تو اپنے نبی ﷺ کی تصویر سے بھی محروم ہو، آخر کیوں۔؟ میں نے جواب دیا کہ تمہارے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے خد و خال اور حسن (وہ بھی تمہاری اپنی بنائی ہوئی خیالی اور متنازعہ تصویروں کی وجہ سے) محدود ہیں اور ہمارا نبی ﷺ اتنا حسین ہے جتنا انسانی تخیل و تصور ہو سکتا ہے۔ ہم پوری

کائنات کے حسن میں اپنے رسول ﷺ کے حسن کو دیکھتے ہیں اور بات صرف دید تک محدود نہیں ہم تو ان کے حسن و جمال اور خدو خال کو سوچتے بھی ہیں''

پروفیسر ابوالخیر کشفی نے جو بات اپنے امریکی مخاطب کو بتائی وہ شاید اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو، مگر، اگر وہی امریکی اعلیٰ حضرت کا سلام عقیدے سے نہ سہی عقیدت سے سن لے، عقیدت سے اس لئے کہ دنیا بھر کے ناقد و ناشر یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جیسی مقناطیسی سیرت اور جاذبِ توجہ کردار کسی شخصیت کا نہ تھا، نہ ہے، نہ ہوگا، تو پھر اس امریکی کو کم از کم یہ ضرور معلوم ہو جائے کہ جسے وہ تصویر سمجھتا ہے وہ تو کشیدہ خطوط کا خاکہ ہے جس تصویر کو ہم سوچتے ہیں وہ اعلیٰ حضرت کے سلام کا جوہر ہے اس سے قبل کہ میں اس سراپے سے عبارت اعلیٰ حضرت کے اشعار کو دلیل کی صورت میں پیش کروں، ایک اور نازک سی بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کا براہ راست تعلق نعت کی لغوی تعریف اور مرادی مفہوم دونوں سے ہے اور اس مفہوم سے سراپے کو جدا بھی نہیں کیا جا سکتا۔

صاحبو! مجھے اس بات کا پورا ادراک و احساس ہے کہ بحمد للہ یہ فقید المثال اجتماع، متدیّن مشاہیر کا، مشائخ و علماء کا، مصنفین و محققین کا، خطیبوں و ائمہ کا، دانشوران کرام اور صاحبانِ فہم کا ہے، لیکن میں کیا کروں کہ جب تذکرہ شہرِ علم بلکہ کائنات علم کا ہو تو پھر لازم آتا ہے کہ ہم سب ان کے حوالے سے اپنی اپنی علمی تبحر کی اسناد کو پھر سے اعتبار دینے کے لئے اعتبارِ منبر و صفّہِ حضور انور ﷺ کے سامنے طلبِ علم

کی تمنا لئے حاضر ہو جائیں اور نعت کو وسیلہ بنا کر پھر سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ نعت کیا ہے۔؟ اور پھر دیکھیں کہ نعت کی تعریف پر اعلیٰ حضرت کا سلام یوں پورا اترتا ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ یا اس کائنات میں مدینہ۔

ڈاکٹر سید یحیٰ نشیط نے لکھا ہے کہ نعت، وصفِ محمود کو کہتے ہیں الحافظ محمد موسیٰ کی تعریف کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ نعت اوصافِ حمیدہ کے بیان کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح میں نعت سے مراد حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کا بیان ہے۔ یہ محض پیکرِ نبوت کے صوری محاسن یا حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے رسمی عقیدت کے اظہار کا وسیلہ ہی نہیں ہوتی بلکہ بقول ممتاز دانشور ممتاز حسین:

''دنیا کے سب سے بڑے انسان کی شخصیت کا پرتو الفاظ کے آئینے میں نعت میں دکھائی دیتا ہے۔''

ان حوالوں سے صاف مطلب یہ ہوا کہ نعت دراصل اوصافِ باعثِ تخلیق کائنات کا بیان ہے۔ وہ چاہے نظم میں ہو، نثر میں ہو، اشارے ہوں، کنائے میں ہو ---اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ کسی نظم میں کوئی شعر یا اشعار ایسے ہوں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہوں، کردار کا حوالہ ہو، احکام ہوں، ہدایات ہوں، آپ کے شمائل و فضائل ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست و برخاست کی تصویر ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت و قیادت کا حوالہ ہو، آپ کی صداقت و دیانت کا اشارہ ہو، آپ کے علم و حلم کا استعارہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و اکرام کا نظارہ ہو تو وہ شعر نعت کا شعر ہے۔ دیگر اشعار جس میں مدینے کی گلیوں کا حسن، وہاں

کے صبحوں کے نور، وہاں کی شاموں کی مہک، وہاں کے فقیروں کی سرمستی، وہاں کے گداؤں کی وارفتگی، وہاں کے کوچہ و بازار کی گہما گہمی، وہاں کے رہ گزاروں کی سرشاری، وہاں کے فیض وکرم کی بارش کا تذکرہ ہو تو ایسے اشعار دراصل محاکات کے اشعار کہلائیں گے، انہیں وادارتِ قلبی کہا جا سکتا ہے، ان میں التجا و تمنا ہو تو مناجات کہہ سکتے ہیں، ان میں سرشاری و کیف و سرمستی ہو تو معاملات کے اشعار کہیے---مگر نعت کا شعر تو وہی ہے جس میں بحر طور پر حضور اکرم ﷺ کی سیرت وصورت کا کوئی سورج چمکتا دکھائی دے، جس میں آپ ﷺ کا وصف چاند بن کر جلوہ گر نظر آئے۔

اگر نعت کی تعریف یہ ہے اور واقعی یہی ہے تو پھر آئیے اب ذرا اعلیٰ حضرت کے مقبول خاص و عام سلام کا مطالعہ کریں، جس کا ہر شعر مجرد نعت کا شعر ہے، جس کے ہر شعر میں حضور ﷺ کی صورت و سیرت کا بے مثال حسن نظر آتا ہے، جس کا ہر شعر آپ ﷺ کے اوصاف کا حوالہ بنتا چلا جاتا ہے۔ یوں یہ سلام، سلام تو ہے ہی مگر مکمل نعت بھی ہے اور قصیدہ بھی اور وہ بھی اس التزام سے کہ اسے پڑھتے جائیے تو خود بخود حضور پرنور ﷺ کی سرتاپا تصویر بنتی چلی جاتی ہے۔

یہ اس لئے ہو سکا کہ میرے خیال میں اعلیٰ حضرت نے سلام لکھنے سے پہلے حضور ﷺ کے خدوخال کو سوچا بہت ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اعلیحضرت عالم تصوّر میں سید عالم جانِ جانِ عالم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہو کر بہ کیف حضوری و حاضری یہ سلام لکھ رہے ہیں۔ اس سلام کے تین طبقے ہیں، پہلے طبقے میں اعلیٰ حضرت نے حضور اکرم ﷺ کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان اوصاف کو جس

علامت، تشبیہ، تلمیح اور تشبیب کے ساتھ نظم کیا ہے اس سے خود بخود اللہ رب العزت کی جلالت، قدرت اور عنایت تینوں چیزیں ایک ساتھ نزول فرماتی نظر آتی ہیں جسے صوروی اعتبار سے ذاتِ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام دیا گیا۔ اس طرح پہلے طبقے میں جہاں رسالت کے تمام پہلو بقدرِ مقدور بیان کئے گئے ہیں وہیں حمدِ باری تعالیٰ کی ان دیکھی کیفیت غیر محسوس طریقے سے دل پر صادر ہوتی چلی جاتی ہے۔

سلام کے دوسرے طبقے میں حضور ﷺ کا سراپا ہے اور تیسرے میں شاہ ﷺ کے توسط سے امت کی قابلِ رشک قسمت کا تذکرہ ہے مگر ان تینوں مرحلوں میں سے کسی ایک مرحلہ میں اور سلام کے تمام اشعار میں سے کسی ایک شعر میں بھی اعلیٰ حضرت نعت کی مستند تعریف سے سر مو اجتناب نہیں برتتے۔ اعلیٰ حضرت نے جو قافیہ منتخب کیا ہے، شاید اسی کے ذریعے سے ان تمام نا قابل احاطہ مضامین کا احاطہ ممکن ہو سکتا تھا۔

اس سلام کے پہلے طبقے میں شانِ رسالت کے تعلق سے جو تصویر بن رہی ہے اس کا بہت ہلکا سا اور سرسری سا جائزہ ہی لیجئے تو تراکیب کی تکمیل اور الفاظ کی ترتیب کے احساس سے وجد طاری ہو جاتا ہے۔

مصطفیٰ	جانِ	رحمت	پہ	لاکھوں	سلام
شمعِ	بزمِ	ہدایت	پہ	لاکھوں	سلام

''جانِ رحمت'' سے زیادہ بھرپور ترکیب اور ''شمعِ بزمِ ہدایت'' سے زیادہ مکمل تصویر

شعری دنیا میں کہیں اور نظر آ ہی نہیں سکتی ۔

شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم

نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

یہاں بھی اس شعر میں استعمال کی گئی تین علیحدہ علیحدہ علاوہ تراکیب میں سے ہر ایک پر سیرت کی مکمل کتابیں لکھی جا سکتی ہیں مگر اعلیٰ حضرت نے ایجاز اور اعجاز دونوں بیانیہ اوصاف سے کام لے کر سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس کے بعد اس طبقے میں شفاعت ،نزہت ، فضیلت ، قدرت، سیادت، نعمت ، رسالت، قربت ،عزّت ، نہایت ، جلوت ، طاقت ، قوت، کثرت ، ثروت ، طلعت ، رفعت ، استقامت اور شفاعت کے قوافی سے سیرتِ مبارکہ کو نظم کیا ہے ، جس میں حضور ﷺ کے تعلق سے مقدور بھر اکناف و اطراف کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت حضورانور ﷺ کے قد و مامت کو سر سے لیکر تلووں تک سوچتے ہیں، سوچتے ہیں اور لگتا ہے بشارت کی منزل پر متمکن ہوکر اس اہم ترین کیفیت سے گزرتے ہیں کہ جہاں پہنچ کر آپ ﷺ کا سراپا، لمحہ بہ لمحہ، جلوہ گر ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ بھی اس شعری خوبی کے ساتھ کہ قافیہ اور ردیف دونوں اس ظہور قدسی کی رکابیں بنتی چلی جاتی ہیں ۔ ذرا اہتمام ، التزام اور احترام کا عالم دیکھئے کہ کسی رامش و رنگ کے بغیر صرف موئے قلم سے یہ مصورانہ کام لیا جا رہا ہے۔

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا

اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

ذرا ملاحظہ فرمایئے نگاہ ونظر کا فرق کیسے بیان فرمایا ہے۔

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

نظر کا نیچا ہونا اور ناک کا اونچا ہونا، ایسے محاورے ہیں جسے ایک ہی شعر میں وہ بھی سراپا رقم کرتے ہوئے نظم کرنا دشوار نہیں ناممکن نظر آتا ہے مگر اعلیٰ حضرت اس منزل سے کیسے سبک خرام گزرے گئے ہیں۔

ان کے خدّ کی سہولت پہ بے حد درود
ان کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام

یہاں بھی خدّ اور قد کی نسبت سے ''سہولت'' اور ''رشاقت'' کی دلیلیں غیر مبدّل ہیں اور اب آیئے رنگت پر۔

جس سے تاریک دل جگمگا نے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

رنگت کے بعد صباحت دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ کیسے سراپا بنتا جا رہا ہے۔

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود
نمک آگئیں صباحت پہ لاکھوں سلام

اور اب پسینے کی بات۔

شبنمِ باغِ حق یعنی رخ کا عرق
اس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام

اس کے بعد خطِ ریش ۔

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزۂ نہرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

ریش کے حوالے سے تکرارِ لفظی کا حسن ملاحظہ ہو، سراپا بھی ملحوظ خاطر رہے ۔

ریشِ خوش معتدل ، مرہمِ ریش دل
ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام

اوراب ہونٹ ۔

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

اوراب دہن اوراس کا تعلق وحی سے اور پیغام الٰہی سے اور پھر سراپا اپنی جگہ ۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

دہن تو دہن، دہن کی طراوت کی بات بھی تو سراپے کا حصہ ہے نا ۔

جس کے پانی سے شاداب جان و جناں
اس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام

اوراب دہن کے بعد زباں، سراپا آگے بڑھ رہا ہے اور ترتیب بھی اپنا حسن دکھا رہی ہے ۔

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

زبان سے نکلی ہوئی ہر بات حکم بن جائے اس کا اظہار اس شعر سے زیادہ پر اثر انداز میں شائد ممکن ہی نہیں پھر اس قدرتِ حکم سازی پر اس زبان کی فصاحت و بلاغت بھی تو حسین سچائی ہے ۔

اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود
اس کی دلکش بلاغت پر لاکھوں سلام

میرا اشارہ اس زبان سے نکلنے والی باتوں کی لذّت کا ہے اور پھر حکم ربی سے عبارت خطبے کی ہیبت کا رنگ آہنگ ہے ۔

اس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود
اس کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے
ان ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام

خوفِ تطویل سے بچنے کیلئے اب میں بلا تبصرہ اشعار نقل کر رہا ہوں جن کی ترتیب سے خود بخود سراپا مکمل ہوتا محسوس ہوگا، اسی لئے ہزار بار کے سنے ہوئے ان اشعار کا مزا سراپے کے حوالے سے نیا مزا دے رہا ہے---مشاہدہ کیجئے ۔

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسّم کی عادت پہ لاکھوں سلام

دوش بر دوش ہے جن سے شانِ شرف
ایسے شانوں کی شوکت پہ لاکھوں سلام

خوبصورت مرکب ترکیب کے ساتھ مہر نبوت کا بیان، اعلیٰ حضرت ہی کا کمال ہے۔

حَجرِ اسودِ کعبۂ جان و دل
یعنی مہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام

رُوئے آئینۂ علم پشتِ حضور
پشتیِ قصرِ ملت پہ لاکھوں سلام

اوراب ہاتھ کی بات۔

ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کردیا
موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ کے بعد بازو۔

جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ اور بازو کے بعد ہتھیلی۔

جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم
اس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام

ہتھیلی کے بعد انگلیوں کا بیان اور وہ بھی تلمیح کے ساتھ۔

نور کے چشمے لہرائیں ، دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

اوراب ناخن اوران کی تشبیہ ہلالِ عید سے، یہ کمال، اعلیٰ حضرت ہی کا جمال ہے۔

عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

اورپھر سینے کا حوالہ۔

رفعِ ذکرِ جلالت پہ ارفع درود
شرحِ صدرِ صدارت پہ لاکھوں سلام

سینے کے اندر دل۔

دل سمجھ سے ورا ہے مگر یوں کہوں
غنچۂ رازِ وحدت پہ لاکھوں سلام

اورشکم کا بیان ملاحظہ فرمایئے۔

کُل جہاں مِلک، اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

شکم کے بعد کمر اور وہ بھی عزم کے استعارے کے ساتھ۔

جو کہ عزمِ شفاعت پہ کھنچ کر بندھی
اس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام

انبیاء تہ کریں زانو اُن کے حضور
زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

اوراب قدم ۔

ساقِ اصلِ قدم ، شاخِ نخلِ کرم
شمعِ راہِ اصابت پہ لاکھوں سلام

اورپھرتلووں کا تذکرہ ۔

کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

گویا کہ سراپا اس شان سے مکمل ہوا کہ قصیدے ، سلام اور نعت تینوں کے تقاضے ایک ساتھ پورے ہو گئے ، اور آخر میں دو اشعار ایسے جو بظاہر تذکرۂ نعت کی تعریف سے الگ نظر آتے ہیں مگر ایسا ہے نہیں ، ایسا ہوتا تو اعلیٰ حضرت کا کمال کیسے کہلاتا۔ سلام کے تیسرے اور آخری طبقے میں ان دو اشعار سے یہی بات ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ ان میں کائناتی حسن کا بیان فرماتے ہوئے بھی اعلیٰ حضرت اس کا رشتہ ذاتِ محسنِ کائنات سے اس طرح وابستہ و پیوستہ نظم کرتے ہیں کہ یہ اشعار بھی نعت کی صحیح لغوی ، تعریف کی روشنی میں مجرد نعت کے شعر بن جاتے ہیں ۔ دونوں اشعار ملاحظہ ہوں ۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

پہلے سجدہ پہ روزِ ازل سے درود
یادگاریٔ امت پہ لاکھوں سلام

ان دونوں اشعار میں اوصافِ جنابِ رسالت پناہ ﷺ موجود ہیں اس لئے یہ مجرد نعت کے اشعار ہیں۔ سلام، نعت اور قصیدے کے مطالعہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ بیانِ ذاتِ ختمی مرتبت ﷺ پھیلے تو کائنات سمٹے تو نامِ نبی ﷺ۔ سچ کہا کہ تمام سمندر سیاہی، سارے درخت قلم اور پوری کائنات صفحات میں بدل جائیں تب بھی سیرتِ طیبہ کا احاطہ ممکن نہیں لیکن عشق کی مضراب پر نعت کا نغمہ چھیڑا جائے تو اعلیٰ حضرت کی متذکرہ تخلیقِ سراپا، نعت، قصیدہ اور سلام، چاروں رنگوں کے ساتھ پوری کائنات کو رنگین بنا دیتی ہے گویا کہ۔

ہے نامِ محمد ہی نعتِ محمد
میں لکھ کر محمد ﷺ قلم رکھ رہا ہوں

☆☆☆

کچھ مصنف کے بارے میں

انوار احمد زئی ابن قاری نور احمد خاں

ایم.اے (انگریزی) ایم.اے (اردو) ایم.اے (عمرانیات) ایل.ایل.بی،
ایم.ایڈ، سی.ایل (جرمنی) ایل.اے (برطانیہ) ڈی.اے.ایس (امریکہ) گولڈ میڈلسٹ

ایڈیشنل سیکریٹری وزارت تعلیم سندھ، ماقبل، ڈائریکٹر اسکول آف ایجوکیشن کراچی، پراجیکٹ ڈائریکٹر، ورلڈ بنک پرائمری پراجیکٹ، ایشین ڈولپمینٹ بینک مڈل اسکول پراجیکٹ، اے.ڈی.پی گرلز پراجیکٹ، پروجیکٹ منیجر یونی سیف (اقوام متحدہ) پراجیکٹ۔

امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، سنگاپور، بنگلہ دیش، فلپائن، تھائی لینڈ، افغانستان، بھارت، مصر، انڈونیشیا، ملیشیا، جنوبی کوریا، سری لنکا، سعودی عرب، ایران، دبئی، شارجہ، ابوظہبی اور دیگر۔

درد کا رشتہ، سوچ کا گھاؤ، دیس پردیس، قلم گوید، آنکھ سمندر، بی بی سی انگلش کورس، متفرقات، تعلیمی تحقیق، پٹاری (منتخب ریڈیائی ڈرامے)